فتاوای فیروز شاہی اور عصری مسائل

(۲)

ازجناب ظفر الاسلام صاحب لکچرر شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

باہمی تعلقات و معاملات کے ان اہم مسائل کے علاوہ مولف فتاوی نے سماجی زندگی کے کچھ دوسرے پہلوؤں مثلاً کھیل و تفریح کے ذرائع، شادی کی بعض رسوم، تعویذ نویسی کے ذریعہ کسب معاش، بیکاری و گداگری جیسے امور پر فقہی سوالات و جوابات نقل کیے ہیں۔ یہ امر قابل غور ہے کہ تفریحی مشاغل کے ضمن میں فتاوی نے ان چیزوں کو خاص طور سے اپنی بحث کا موضوع بنایا ہے جو ایرانی وساسانی کلچر کے زیر اثر امراء و شاہی خاندان کے لوگوں کے ذرائع تفریح میں داخل ہو گئی تھیں مثلاً چوگان بازی[1]، شطرنج بازی[2] اور کبوتر بازی[3] وغیرہ۔ اسی طرح ان سماجی برائیوں پر خصوصیت کے ساتھ اظہار خیال کیا ہے جو درباری ماحول اور امراء و ندماء کی محافل سرود و نشاط کا جز بن گئی تھیں مثلاً

---

[1] حسن نظامی، تاج المآثر ص۸۴-۸۵، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۷۲

[2] ایضاً، ص۱۲، امیر خسرو، اعجاز خسروی مطبع نولکشور، ۱۸۷۶ء، ص۲۹۱-۲۹۴، نہ سپہر، کلکتہ، ۱۹۴۸ء، ص۱۷۹، برنی، تاریخ فیروز شاہی ص۱۷۹، ۱۸۵، ۱۹۰، فتاوای جہانداری ورق ۱۱۰ الف۔

[3] برنی، تاریخ فیروز شاہی، ص۱۸۵، اعجاز خسروی، ص۱۷۹۔

شراب نوشی[۱] وغیرہ۔ گرچہ ان چیزوں کی بابت براہ راست استفتاء و فتویٰ درج نہیں ہے لیکن مولف نے عدالت کے باب میں ان لوگوں کی شہادت کی شرعی حیثیت کا جائزہ لیا ہے جو ان تفریحات کا شوق رکھتے تھے یا شراب جیسی لعنت میں ملوث تھے[۲]۔ اس بحث سے ان کی بابت مولف کا عمومی نظریہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔

شادی کے سلسلے میں ان رسموں پر بحث کافی اہمیت کی حامل ہے جس میں مقامی اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر نکاح کے وقت شادی شدہ جوڑے کے لئے نیک شگون کے طور پر شرکاء تقریب کے سر پر روپیہ پیسہ اور شیرینی وغیرہ لٹانا شادی کی ایک عام رسم تھی، معاصر مورخین نے شاہی خاندان کے لوگوں کی شادی کے بیان میں اس رسم کا تذکرہ کیا اور اسے "نثار" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے[۳]۔ اس طرح کی رسم ہندوستان میں قدیم دور سے رائج تھی اور اسے "نچھاور" کے نام سے جانا جاتا تھا۔ رسم "نثار" میں اسی کی جھلک نظر آتی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ مولف نے اس رسم کے جواز و عدم جواز سے بحث نہیں کی ہے بلکہ

---

[۱] حسن نظامی، ص۲۶۲، برنی، تاریخ فیروز شاہی، ص۴۵، ۴۶، ۹۰، عفیف، تاریخ فیروز شاہی ص۱۴۵، ۱۴۶۔

[۲] فتاوای فیروز شاہی کی نظر میں چوگان باز کی شہادت قابل سماعت ہو گی جبکہ کبوتر باز مطلقاً شہادت دینے کے اہل نہیں ہے، شطرنج جس میں قمار کی آمیزش ہو شہادت کی غیر مقبولیت کا باعث ہوگا۔ اس شراب پینے والے کو شہادت دینے کے اہل قرار دیا گیا ہے جو تنہائی میں شراب پیتا ہو، مستی کی حالت میں گھر سے باہر نہ آتا ہو اور دروغ گوئی کے لئے معروف نہ ہو (۲۴۲ الف، ۳۴۳ الف، ۳۴۶ الف، ۳۴۷ الف)

[۳] امیر خسرو، مثنوی دولرانی خضر خاں (مطبوعہ علی گڑھ)، ص۴۲، ۱۶۲، ۱۶۳، رحلہ ابن بطوطہ جز ثانی ص۴۸، برنی، تاریخ فیروز شاہی ص۱۷۔

ایک متعلقہ جزئیہ کی وضاحت کی ہے، اور وہ یہ ہے کہ کیا وہ شخص جس کو اس رسم کی ادائیگی کی ذمہ داری سونپی جائے اشیاء منثورہ میں سے کچھ اپنے لئے مخصوص کر سکتا ہے یا کسی دوسرے کے حوالہ یہ ذمہ داری ڈال سکتا ہے[۱]۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولف کو اس رسم کے جواز کے بارے میں فی نفسہ کوئی اختلاف نہ تھا۔

عہد وسطیٰ کے سماج میں فال و شگون میں اعتقاد اور بیماری سے شفا و آفت و مصیبت سے حفاظت کے لئے تعویذ و طلسمات کے استعمال کی مثالیں بھی بہت ملتی ہیں، فیروز شاہ خود امور سلطنت کی انجام دہی سے پہلے[۳] قرآن کریم سے فال نکالنے کا عادی تھا[۲]۔ وہ تعویذ و گنڈوں میں بھی یقین رکھتا تھا۔ اس طرح تعویذ و گنڈے کا رواج عوام و خواص دونوں میں موجود تھا۔ صوفیائے کرام اور مشائخ تعویذ کی فراہمی کو خدمت خلق کا ذریعہ تصور کرتے تھے اور لوگ اس کے حصول کے لئے ان سے رجوع کرتے تھے[۴]۔ فتاوای فیروزشاہی نے اس عمل کے شرعی وغیر شرعی ہونے کی بابت کوئی مسئلہ نہیں کیا ہے بلکہ اس کے ذریعہ اخذ مال کی حلت و حرمت کو موضوع بحث بنایا ہے اور اس مال کو حرام قرار دیا ہے جو تعویذ کے عوض حاصل کیا جائے[۵]۔ پیشہ ورانہ تعویذ نویسی کی عزت و حرمت کے علاوہ اس

---

۱ فتاوای فیروزشاہی، ۴۱۷ ب ۲ برنی، تاریخ فیروزشاہی، ص۲۳۵

۳ غالباً فیروز شاہ کی دلچسپی کے پیش نظر اس کے عہد میں عبد القوی نامی ایک شخص نے تعویذ و گنڈے وغیرہ کی تفصیلات پر ایک رسالہ "راحت الانسان" تحریر کیا تھا اور اسے سلطان کے نام منسوب کیا تھا (فہرست مخطوطات فارسیہ، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ، ۱۹۲۴ء، ص۱۳۵۔

۴ فوائد الفواد، ص۶۳، سیر الاولیاء، ص۸۷، ۴۰۳، شیخ جمالی، سیر العارفین، دہلی، ۱۳۱۱ھ، ص۵۲، دیباچہ عزۃ الکمال، ورق ۳۴ الف

۵ فتاوای فیروزشاہی، ۴۰۸ ب۔

بحث سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ بلا معاوضہ تعویذ کی فراہمی میں کوئی شرعی قباحت نہیں تھی اور اسی لئے اس دور میں اس کے استعمال کے جواز وعدم جواز کا مسئلہ فی نفسہ کسی اہمیت کا حامل نہیں تھا۔

سلاطین دہلی کا دور بہبودی خلق اور رفاہ عام کے کاموں کے لئے بھی مشہور رہے۔ بیکاری وگداگری جیسی سماجی خرابیوں کو دور کرنے کے لئے ان کی کوششیں انھیں کاموں کا حصہ تھیں۔ مسالک الابصار میں محمد بن تغلق کی بابت مذکور ہے کہ وہ گداگری کو بیحد ناپسند کرتا تھا، اس نے دہلی میں اس کی ممانعت کردی تھی، مزید براں سلطان نے ہزاروں محتاجوں ومفلسوں کے لئے سرکاری خزانہ سے روزینے اور وظیفے مقرر کئے تھے[1] سلطان فیروزشاہ نے بیروزگاری کے مسئلہ پر خاص توجہ دی اور اس سے نپٹنے کے لئے بعض انتظامی اقدامات بھی کئے۔ معاصر مورخ عفیف نے ذکر کیا ہے کہ سلطان فیروزشاہ کے حکم سے کوتوال نے شہر دہلی کے تمام بیروزگار لوگوں کی فہرست تیار کی اور انھیں دربار میں حاضر کیا، سلطان کی ہدایت کی روشنی میں ان میں سے ہر ایک کو اس کی صلاحیت واستعداد کے مطابق کام پر لگایا گیا۔[2]

فتاوای فیروزشاہی سے بھی گداگری کی مذمت اور کسب معاش کی راہ میں جدوجہد کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ ایک استفتار کے جواب میں مولف نے اس مال کو خبیث قرار دیا ہے جو سوال وگریہ کے ذریعہ اکٹھا کیا جائے۔[3]

---

[1] مسالک الابصار ص ۳۹

[2] عفیف، ص ۳۳۴-۳۳۵، فیروزشاہ کے قائم کردہ کارخانے یقیناً اس مسئلے کے حل میں معاون ثابت ہوئے ہوں گے (ایضاً، ص ۲۸۸، ۳۰۲)

[3] فتاوای فیروزشاہی، ۸۰ب الف

(معاشیات) اس ضمن میں قابل ذکر مسائل اسٹیٹ کے ذرائع آمدنی، مختلف محاصل کی شرح اور ان کی وصولیابی کے طریقے، بیع و شرا و تجارتی لین دین کے اصول اور دین و رہن کے معاملات ہیں۔

یہ بات تاریخی حقائق سے ثابت ہے کہ فیروز شاہ نے حکومت کے نظم ونسق کو شریعت کے مطابق کرنے کی کوشش کی[1] جملہ مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ سلطان نے تمام غیر شرعی محاصل کو ممنوع قرار دیا اور صرف ان ٹیکسوں کو بحال رکھا جن کی شریعت نے اجازت دی تھی[2]۔ فتاوای فیروز شاہی میں متعدد سوالات حکومت کے ذرائع آمدنی سے متعلق درج ہیں۔ ان کے جواب میں بھی شریعت متعینہ محاصل کا ذکر کیا گیا ہے اور غیر شرعی ٹیکسوں کی ممانعت پر زور دیا گیا ہے[3]۔ تاریخی نقطۂ نظر سے اس سے زیادہ اہم وہ استفتار ہے جو غیر دیانتدار عمال سے متعلق ہے۔ فتاوای فیروز شاہی نے ان عمال کی سخت مذمت کی ہے جو حرام مال اکٹھا کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں اور انھیں شرعی لحاظ سے شہادت دینے کے نااہل قرار دیا ہے[4]۔ اس مسئلہ کی اہمیت سمجھنے کے لئے یہ مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ اس دور میں غیر شعبۂ

---

[1] فتوحات فیروز شاہی، ص ۲، ۵-۶، ۱۱، انشار ماہرو، ص ۱۶، ۲۹، سیرت فیروز شاہی، ورق ۶۱-۶۲، عفیف، ص ۳۸۲-۳۸۳۔

[2] فتوحات فیروز شاہی، ص ۵-۶، عفیف، ص ۹۹، ۳۷۵-۳۷۶، سیرت فیروز شاہی، ورق ۶۱
فیروز شاہ نے سرکاری نہروں سے آبپاشی پر ایک نیا ٹیکس "حق شرب" کے نام سے عائد کیا تھا۔ لیکن اس کے جواز کے لئے علماء سے پہلے فتویٰ حاصل کر لیا تھا۔ (عفیف ص ۱۲۹-۱۳۰)

[3] فتاوای فیروز شاہی، ۸۴۴ الف ۸۴۴ ب۔

[4] فتاوای فیروز شاہی، ۳۴۳ ب۔

محاصل کے بعض افسران بالخصوص جو مرکز سے دور دراز علاقوں میں متعین تھے سلطان کے ممانعتی احکام پر دیانتداری سے عمل نہیں کرتے تھے اور اس طرح غیر شرعی ٹیکس کی تحصیل ان کے علاقوں میں جاری رہتی تھی۔

عہد سلطنت میں حکومت کے ذرائع آمدنی میں زراعتی ٹیکس (عشر و خراج[1]) سب سے اہم تھے۔ ان کی ادائیگی میں باقاعدگی اور پابندی پر حکومت کی معاشی فلاح و بہبود منحصر تھی۔ چنانچہ سرکاری مطالبہ کے تعین اور ان کے طریقۂ تحصیل کے انتخاب میں اس پہلو پر خاص دھیان دیا جاتا تھا۔ فتاوائے فیروز شاہی نے زراعتی ٹیکس کے باب میں ان مسائل کی وضاحت کو ترجیح دی جس میں خراج کی ادائیگی میں پابندی اور اس کی آمدنی میں اضافہ کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے مثلاً زمین سے پیداوار سے بیج کی قیمت، مزدوروں کی اجرت اور سینچائی

---

[1] عہد وسطی کے تاریخی ماخذ اور سرکاری دستاویزات میں خراج اور خراجی زمین کے حوالے بہت ملتے ہیں۔ اس کے برعکس عشر اور عشری زمین کا ذکر بہت کم ملتا ہے۔ اس بنا پر جدید مورخین عام طور پر ہندستان میں عشری و غیر عشری زمین کی تقسیم کو غیر اہم و قابل نظر انداز سمجھتے ہیں۔ آراضی ہند کی نوعیت کا مسئلہ (بالخصوص مسلمانوں کے سیاق میں) عہد وسطی میں علماء کے مابین مختلف فیہ تھا۔ حکومت کو بھی اس مسئلہ سے دلچسپی تھی اس لئے کہ زمین کی ملکیت کی بحث بھی اس سے منسلک تھی۔ اس مسئلہ پر معاصر علماء کے خیالات اور بادشاہوں کے نقطۂ نظر پر تفصیل کے لئے دیکھئے خاکسار کے مضامین "نیچر آف دی لینڈ پراپرٹی اِن مغل انڈیا" (پروسیڈنگس آف دی انڈین ہسٹری کانگرس، ۳۶ واں اجلاس، ۱۹۷۵ء، علی گڑھ، ص ۳۰۱، ۳۰۹) "فرمان آف اورنگ زیب آن لینڈ ٹیکس" (اسلامک کلچر، حیدرآباد، جلد ۵۲، نمبر ۳، اپریل ۱۹۷۸ء، ص ۱۱۷ - ۱۲۶)

مستثنیٰ کرنے کے بعد عشر یا خراج کی رقم متعین کی جائے یا پہلے[1]، خراج کی ادائیگی میں غیر معمولی تاخیر کی صورت میں کیا بادشاہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی کسان کے غلہ کو تا عدم ادائیگی سرکاری تحویل میں ضبط کر لے[2]، سرکاری مطالبہ کے باوجود اگر کسی نے خراج کو فقراء و مساکین میں صدقہ کر دیا تو فتاوای کی رو سے وہ اس کی ادائیگی سے عہدہ برآ ہوا کہ نہیں ہے[3]

ظاہر ہے کہ خراج کی آمدنی میں اضافہ زراعت کی ترقی کے بغیر ممکن نہیں، سلاطین دہلی کا یہ دستور تھا کہ بیج اور اسباب زراعت کی فراہمی کے لئے کسانوں کو مالی سہولتیں فراہم کرتے تھے۔ آبپاشانی کی آسانی کے لئے سرکاری خرچ پر نہریں تعمیر کراتے اور کنویں کھدواتے تھے[4]۔ اس ضمن میں فیروز شاہ تغلق کے کارنامے سب سے زیادہ مشہور ہیں[5]۔

---

[1] فتاوای فیروز شاہی (۴، الف - ۴، ب) جملہ پیداوار پر عشر یا خراج عائد کرنا ضروری سمجھتا ہے۔

[2] فتاوای فیروز شاہی (۵، الف) کی رو سے بادشاہ کو یہ حق حاصل ہے۔ فقہ کی دوسری کتابوں سے اس مسئلہ کی نظیر نہیں ملتی۔

[3] مولف فتاوای (۲۵ الف) کی رائے میں مذکورہ مسئلہ میں مالک زمین خراج کی ادائیگی سے سبکدوش نہ ہوا۔

[4] منہاج السراج، طبقات ناصری، ص۱۷۷، برنی، تاریخ فیروز شاہی، ص۲۸۱، عفیف، ص۹۱، رحلہ جزء ثانی، ص۵۱، ۶۴، ۷۱۔

[5] برنی، تاریخ فیروز شاہی، ص۵۶۷، عفیف، ص۹۲، ۹۴، ۱۲۹، ۱۳۰ فتوحات فیروز شاہی، ص۱۱-۱۲، سیرت فیروز شاہی، ورق ۱۲۴، عین الدین ماہرو، انشاء ماہرو (مرتبہ شیخ عبدالرشید، علی گڑھ) ص۱۳-۱۴، تاریخ فرشتہ، جزء اول ص۱۴۶۔

فتاوای فیروز شاہی نے ودیعت کے باب میں ایک استفتار نقل کیا ہے جس میں نہر کی کھدائی سلطان کی جانب سے رقم کی منظوری اور ایک صراف کے یہاں اسے بطور امانت رکھنے کا ذکر ملتا ہے[1]

اسلام میں تجارت کی جو اقسام جائز اور مستحسن ہیں ان میں مضاربت کو اولین مقام حاصل ہے۔ اس تجارت میں دو فرد کی شرکت اس نوعیت سے ہوتی ہے کہ ایک اپنا سرمایہ لگاتا ہے اور دوسرا اپنی محنت وجدوجہد صرف کرتا ہے اور نفع میں دونوں ایک متعین شرح کے مطابق شریک ہوتے ہیں۔ تقریباً جملہ فقہی کتابوں میں اس کی تفصیلات درج ہیں[2]

فتاوای فیروز شاہی کا باب مضاربت چند ایسے سوالات پر مشتمل ہے جو خاص ہندستان کے سیاق میں دریافت کیے گئے ہیں۔ مثلاً ایک استفتار ان الفاظ میں مذکور ہے کہ زید و عمرو کے مابین مضاربت کا معاملہ طے ہوا زید نے عمرو کو ہزار درم دیا کہ وہ دہلی میں اس کے ذریعہ کوئی کاروبار کرے۔ اگر عمرو نے دہلی کے خاص شہری علاقہ کے بجائے کسی اور مقام پر تجارت کی تو کیا مضاربت جائز ہوگی کہ نہیں[3]؟ اس استفتار کے جواب کی نوعیت سے قطع نظر اس سے یہ تاریخی ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ تجارت کا یہ اسلامی طریقہ اس دور میں رائج تھا۔ تاریخی کتابوں سے اس کا کوئی ذکر نہیں مل سکا لیکن بعض صوفی لٹریچر میں اس کے حوالے ملتے ہیں[4]

---

[1] فتاوای فیروز شاہی، ص ۸۰ ب

[2] الہدایہ، جلد ثالث، ص ۲۴۱-۲۴۲۔

[3] فتاوای فیروز شاہی، ص ۴۰۲ الف

[4] عبدالرشید، سوسائٹی اینڈ کلچر اِن میڈیول انڈیا، کلکتہ، ۱۹۶۹ء ص ۲۷ (بحوالہ مونس القلوب ص ۳۱۱-۳۱۴)

تجارتی لین دین میں ہنڈی کا استعمال ہندستان میں قدیم دور سے رائج تھا[۱]۔ عام طور سے خیال کیا جاتا ہے کہ مسلم دور حکومت میں اس کا چلن برقرار رہا۔ عہد مغلیہ میں اس کے استعمال سے متعلق تاریخی ماخذ میں بہت سے حوالے ملتے ہیں[۲] لیکن عہد سلطنت کے مورخین اس کا ذکر نہیں کرتے۔ فتاویٰ فیروز شاہی میں ہنڈی کو سفتجہ[۳] کے ہم معنی قرار دے کر اس کی شرعی حیثیت سے بحث کی گئی ہے۔ دلچسپ بات ہے کہ فقہ کی عام کتابوں میں اسے مکروہ کہا گیا ہے[۴]

---

۱ اس موضوع پر تفصیلی معلومات کے لئے دیکھئے۔ ایل، سی، جین، انڈیجنس بینکنگ ان انڈیا، لندن، ۱۹۲۹ء

۲ مغلیہ دور میں بینکنگ کے نظام اور ہنڈی وغیرہ کے استعمال پر تفصیلات کے لئے ملاحظہ کیجئے، پروفیسر عرفان حبیب کا مقالہ "بینکنگ ان مغل انڈیا" (کانٹریبوشن ٹو انڈین اکنامک ہسٹری، کلکتہ، ۱۹۶۰ء جلد اول، ص ۱-۲۱)

۳ "سفتجہ" فارسی لفظ سفتہ کا معرب ہے۔ اس کے لغوی معنی محکم یا مضبوط شیئی کے ہیں، اصطلاحاً یہ "بل آف ایکسچینج" یا "لیٹر آف کریڈٹ" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے موجودہ بینک ڈرافٹ یا پوسٹل آرڈر کے مثل سفتجہ کا استعمال نقد رقم کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک محفوظ طریقہ سے منتقل کرنے کے لئے ہوتا تھا۔ عباسی دور میں تاجروں کے علاوہ حکومت بھی صوبائی بیت المال سے مرکزی بیت المال کو رقوم ارسال کرنے کے لئے سفتجہ کا طریقہ اختیار کرتی تھی۔ ابن حوقل، کتاب المسالک والممالک، لیڈن، ۱۸۷۲ء ص ۴۲-۷۰۔ ابن مسکویہ، تجارب الامم، القاہرہ، ۱۹۱۴، جزء اول، ص ۱۴۶، ۱۸۷، ابوعلی التنوخی، نشوار المحاضرہ، دمشق، ۱۹۸۰ء جزء ثانی، ص ۱۳، ہلال الصابی، کتاب الوزراء، لیڈن ۱۹۰۵، ص ۸۱۔

۴ السرخسی، المبسوط، مطبعۃ السعادۃ، القاہرہ ص ۳۷، الہدایہ، جلد ثالث (کتاب الحوالہ) ص ۱۱۴، فتاوای عالمگیری، جلد ثالث، (کتاب الکفالہ) ص ۳۸۸۔

اور فتاوای فیروز شاہی نے اس کے مطلق جواز کا فتویٰ دیا ہے[۱]۔ بہرحال تاریخی نقطہ نظر سے یہ بحث کافی اہم ہے کہ اس سے یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ عہد سلطنت میں لوگ اس کے استعمال سے واقف تھے۔ عہد قدیم کے ہندستان میں ہنڈی کو نقد کی صورت میں تبدیل کرنے پر بٹہ کاٹنے کا رواج تھا جو شریعت کی رو سے جائز نہیں ہے، لیکن فتاوای فیروز شاہی نہ تو اس کی بابت کوئی استفسار وجواب نقل کرتا ہے اور نہ تاریخی کتب سے یہ شہادت ملتی ہے کہ عہد سلطنت میں بٹہ کاٹنے کا رواج تھا۔

حکومت کے ذریعہ عام ضرورت کی چیزوں کی قیمت متعین کرنا[۲] جدید اقتصادی نظام کا ایک اہم جز ہے، عہد وسطیٰ کے ہندستان میں سلطان علاء الدین خلجی نے اپنے مشہور معاشی اصلاحات کے تحت مارکٹ کنٹرول کا نظام نافذ کیا تھا۔ یہ نظام متعدد اصول و ضوابط کے علاوہ ضروری چیزوں کی قیمت کی تعیین وتجدید پر مبنی تھا[۳]۔ اس کی وفات کے ساتھ اس نظام کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ بعد کے کسی اور سلطان کے عہد میں اس طرح کے باقاعدہ کنٹرول کا ذکر نہیں ملتا، گرچہ بعض اشیاء کی تعیین قیمت کے حوالے ملتے ہیں۔

۱۔ فتاوای فیروز شاہی، ۳۰۹ ب، ۳۱۰ الف، اس عام جواز سے قطع نظر فتاوٰی نے مضارب کیلئے سفتجہ کا جاری کرنا یا اس کا حاصل کرنا ناجائز قرار دیا ہے اس لئے کہ یہ قرض حاصل کرنے یا قرض دینے کی شکلیں ہیں جس کے لئے رب المال کی رضا کے بغیر مضارب کو حق حاصل نہیں ہے (۴۰۲ ب)

۲۔ فقہاء حنفیہ کے نزدیک حکومت کے ذریعہ اشیاء کی قیمت کا تعین جائز نہیں ہے۔ مالکی فقہاء قیمتوں میں غیر معمولی اضافہ کے وقت اور بحرانی حالات میں حکومت کو اس کا مجاز تصور کرتے ہیں (تفصیل کیلئے دیکھئے الہدایہ، جلد رابع ص ۴۵۵، ابویوسف، کتاب الخراج، القاہرہ، سنہ ۱۳۰۲ھ ص ۴۴، ابوالحسن علی الماوردی، الاحکام السلطانیہ، القاہرہ سنہ ۱۳۲۸ھ ۳۲۲۔

۳۔ برنی، تاریخ فیروز شاہی، ص ۳۱۵-۳۱۶۔

فیروز شاہ تغلق کے دور میں، عام خوشحالی ہونے کی وجہ سے حکومت کی جانب سے ایک باقاعدہ نظم کے تحت تسعیر کی ضرورت نہ محسوس کی گئی، تاہم شمس سراج عفیف کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب خام شکر کی قیمت میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا تو سلطان نے اس کی سرکاری قیمت مقرر کی جس کی پابندی تاجروں و دکانداروں کے لئے ضروری قرار دی گئی[1] اسی طرح خوردنی تیل کی سپلائی میں جب کچھ تاجروں نے رکاوٹ ڈالنا شروع کیا جو اس کی قیمت میں اضافہ کا سبب بن گئی تو سلطان نے اس کی سپلائی کو حکومت کی تحویل میں لینے کا حکم دیا، جس کے نتیجے میں قیمتیں خود بخود نارمل سطح پر آگئیں[2]۔ ان متفرق حوالوں کے علاوہ انشاء ماہرو (فرامین، منثورات اور خطوط کا مجموعہ) میں تعیین قیمت کے مسئلہ پر عہد فیروز شاہی کے علماء کی ایک مفصل بحث مذکور ہے[3]۔ ان تمام باتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فیروز شاہ کے دور میں یہ مسئلہ جزوی طور پر حکومت کے نظم و نسق میں باقی رہا اور علماء کی مجلسوں میں بھی زندہ رہا۔ فتاویٰ فیروز شاہی میں ایک استفتاء کے جواب سے اس مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ حکومت کی جانب سے اشیاء کی قیمتوں کا تعیین جائز ہے۔ لیکن اگر کسی شیئ کی متعینہ قیمت اس کی قیمت خرید سے کم ہے یا بالفاظ دیگر متعینہ قیمت پر بیچنے میں تاجر یا دوکاندار کو خسارہ ہونے کا امکان ہے تو تعیین قیمت جائز نہ ہوگی[4]۔ یہاں یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ سلطان علاء الدین خلجی نے تعیین قیمت میں متعلقہ اشیاء کی پیداواری قیمت کو ملحوظ خاطر رکھا تھا[5]۔ فتاوای

---

[1] عفیف، ص ۲۹۴-۹۵۔

[2] انشاء ماہرو، ص ۶۰-۶۱۔

[3] ایضاً، ص ۶۸-۷۳۔

[4] فتاوای فیروز شاہی، ۷۱ الف۔

[5] برنی، تاریخ فیروز شاہی، ص ۳۱۶۔

فیروز شاہی کی بحث میں علائی دور کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔

سلطان علاء الدین خلجی نے مارکٹ کنٹروں کے تحت بازار کے دلالوں کے خلاف بھی سخت قدم اٹھایا تھا اور ان کے اثر و رسوخ کو کم کرنے کی کوشش کی تھی جو بقول برنی بازار کے بادشاہ بن بیٹھے تھے[۱] اس میں شبہ نہیں کہ علاء الدین اس مقصد میں کامیاب رہا۔ لیکن بعد کے دور بالخصوص عہد فیروز شاہی میں جب نظم و نسق میں سختی باقی نہ رہی اور حکومت نے نرم پالیسی اختیار کی تو دلالوں کی سرگرمیاں عود کر آئیں اور خرید و فروخت کی دنیا میں ان کا اثر و رسوخ دوبارہ قائم ہوگیا[۲] فتاوای فیروز شاہی میں ان کے مشاغل سے متعلق متعدد استفتاء اسی حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں[۳]

معاشرتی و معاشی مسائل کے علاوہ حرب و جنگ کے امور سے بھی فتاوای فیروز شاہی میں بحث کی گئی ہے۔ چند دلچسپ مسائل جن کی بابت مولف نے استفتاء و فتوی نقل کیا ہے با تصویر ہتھیاروں کا استعمال[۴]، جنگی مہموں میں عورتوں کی شرکت[۵] اور قیدیوں کو مثلہ کرنا ہے[۶]۔ ان مسائل پر مولف کی رائے دوسرے فقہاء سے کچھ مختلف نہیں ہے۔

۱۔ ایضاً، ص ۱۴۴ - ۱۴۵۔

۲۔ عہد وسطیٰ کے ہندستان میں دلالوں کی مختلف سرگرمیوں پر مفصل معلومات کیلئے ملاحظہ کیجئے جناب احسن جاوں قیصر کا مقالہ "دی رول آف بروکرس ان میڈیول انڈیا" (انڈین ہسٹاریکل ریویو، نئی دہلی، جلد اول، نمبر ۲، ۱۹۷۴ء، ص ۲۲۰ - ۲۴۶)۔

۳۔ فتاوای فیروز شاہی، ۳۵۵ الف - ۳۵۵ ب، ۴۱۰ الف - ۴۱۰ ب۔

۴۔ فتاوای فیروز شاہی، ۲۲۰ ب۔

۵۔ ایضاً، ۲۲۲ ب۔

۶۔ ایضاً، ۲۱۶ الف۔

لیکن اہم بات یہ کہ فتوحات فیروز شاہی جو عہد فیروز شاہی کے کارناموں کا ریکارڈ ہے اس طرح کے مسائل میں احکام شریعت کے نفاذ کا ذکر کرتا ہے[۱]، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مسائل واقعتہً سلطان کی توجہ کا باعث بنے۔

مزید براں فتاوای فیروز شاہی نے کچھ ایسے امور کی بابت استفتاء درج کیا ہے جو عہد سلطنت کے عسکری ضوابط میں شامل تھے۔ مثال کے طور پر اس وقت یہ دستور تھا کہ سپاہیوں کا نام ان کی شناختی وضاحت کے ساتھ عریض ممالک (فوجی امور کے ذمہ دار افسر) کے دفتر میں ایک رجسٹر میں درج کیا جاتا تھا۔ اس طرح ہر شہسوار کے گھوڑے پر ایک مخصوص نشان بھی بنایا جاتا تھا۔ یہ دونوں دستور جو سپاہیوں کی جانب سے تلبیس اور فریب دہی کو کم کرنے اور ان کی کارکردگی میں بہتری لانے کے لئے رائج تھے۔ نظم و نسق کی اصطلاح میں "حلیہ داغ" کے نام سے معروف تھے۔ گرچہ یہ ضوابط سلاطین دہلی کے ایجاد کردہ نہ تھے لیکن سلطنت کے فوجی نظام میں انھیں خاص اہمیت حاصل تھی[۲]۔ فتاوای فیروز شاہی میں سپاہیوں کے نام کے اندراج اور گھوڑوں کو نشان زدہ کرنے کی بابت جو فتویٰ دریافت کیا گیا ہے وہ حلیہ و داغ کی جانب ہی ایک اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ فتویٰ کی رو سے ان میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے[۳]۔

مختصر یہ کہ فتاوای فیروز شاہی فقہاء متقدمین کی کتابوں کی محض توضیح و توسیع نہیں

---

[۱] فتوحات فیروز شاہی میں عمومی انداز میں مثلہ کی ممانعت اور جاندار اشیاء کی تصویروں والے سامان، ظروف و آلات کے استعمال پر پابندی کا ذکر ملتا ہے (ص ۱۱-۱۲)

[۲] فخر مدبر، آداب الحرب والشجاعۃ (تہران ایڈیشن) ص ۲۷۶، برنی ص ۳۱۹، عفیف ص ۳۰۳۔

[۳] فتاوای فیروز شاہی، ۲۲۰ الف، ۲۲۶ الف۔

بلکہ عہد وسطیٰ کے مختلف النوع مسائل کا اسلامی قوانین کی روشنی میں ایک جائزہ بھی ہے۔ مذکورہ بالا مسائل کے تجزیہ سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ مولف نے متعدد ایسے مسائل پر اظہار خیال کیا ہے جو عہد وسطیٰ کے ہندوستان کے ساتھ مخصوص تھے۔ اس سے اہم یہ کہ ان عصری مسائل کے ضمن میں زیادہ تر وہ امور زیر بحث آئے ہیں جو بیرونی یا مقامی اثرات کے تحت مسلمانوں بالخصوص امراء و ندماء کی سماجی زندگی کا حصہ بن گئے تھے اور ان اصول و ضوابط پر روشنی ڈالی گئی ہے جو مختلف طبقوں کے درمیان معاشرتی تعلقات کے قیام کے لئے ضروری تھے۔ مزید براں ان مسائل کی وضاحت پر بھی خاص زور دیا گیا ہے جو حکومت کے نظم و نسق یا اس کی عام دلچسپی کے کاموں سے منسلک تھے۔ اس سے دو اہم نتیجے اخذ کئے جا سکتے ہیں۔ اول یہ کہ سلطان فیروز شاہ اس فقہی تالیف کے ذریعہ عمومی حیثیت سے اسلامی قوانین کی اشاعت کے ساتھ معاشرت کے اہم مسائل اور سماجی زندگی کے خاص پہلوؤں پر اسلامی شریعت کے نقطۂ نظر کو واضح کرانا اور لوگوں کو ان سے روشناس کرانا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ سیاسی و انتظامی امور سے متعلق اسلامی قوانین کی ترویج و تشہیر بھی اس سے مقصود تھی۔ اس لحاظ سے یہ فتاویٰ سلطنت نے مختلف شعبوں میں احکام شرعیہ کے نفاذ کے لئے سلطان کی کوششوں کا ایک حصہ کہا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ اس کا بھی قوی امکان ہے کہ سلطان اس مجموعۂ فتاویٰ کی وساطت سے اپنے سیاسی و انتظامی اقدامات پر عمومی حیثیت سے مہر جواز ثبت کرنا چاہتا تھا جیسا کہ سوالات کی نوعیت اور ان کے انداز استفسار سے ظاہر ہوتا ہے اور یہ تاریخی شواہد سے بھی ثابت ہے کہ سلطان فیروز شاہ نے اپنے دوران حکومت ایک دو نہیں متعدد بار سیاسی یا انتظامی امور کی انجام دہی سے قبل نہ صرف علماء کی رائے حاصل کی بلکہ عوام کو یہ باور کرانا بھی چاہا کہ اس نے متعلقہ اقدام علماء کے مشورہ سے کیا ہے۔

فتاوای فیروز شاہی کی تالیف کے پیچھے جو بھی عوامل کارفرما رہے ہوں یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ یہ مجموعہ فتاویٰ عہد وسطی کی علمی و سرکاری زبان اور استفتاء وفتوی کے عام پیرایہ میں اسلامی فقہ کو مرتب کرنے اور اسے رواج دینے کی ایک گرانقدر کوشش ہے۔ یہ عہد سلطنت کا ایک عظیم فقہی کارنامہ ہے جس کی اہمیت وافادیت سے آج بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔

اشتہار

۱ مولانا ابوالکلام آزاد کے **ترجمان القرآن** کا

انگریزی ترجمہ از ڈاکٹر سید عبداللطیف سابق پروفیسر انگریزی عثمانیہ یونیورسٹی

جلد اول، دوم وسوم ہدیہ ایک سو پچھتر روپے

۲ **انٹروڈکشن ٹو اسلام** (بزبان انگریزی)

از ڈاکٹر محمد حمید اللہ، پانچواں جدید ایڈیشن

اس معلومات آفریں کتاب کو پڑھ کر ہزاروں جرمن، فرانسیسی، انگریز، امریکی اور جاپانی مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ آپ بھی پڑھئے۔

قیمت: تیس روپے

(سیل سکشن)

حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس، ہیڈ کوارٹر، روبرو معظم جاہی مارکٹ، حیدرآباد (ہند)